



باب نمبر

10

www.SirateMustaqeem.net

تخت ناموس رسالت ایک فرض اور فرض

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيبُ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ هُوَ
اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی اِلٰهِ وَاَصْحَابِهِ ذَوٰی الْفَضَائِلِ
اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهُ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ
جَنَّتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

ناموس نبی ﷺ کی خاطر ہم ہر باطل سے ٹکرائیں گے
جو راہ میں ہماری آئے گا، ہم اس کو مار گرائیں گے
یہ مسئلہ ہے جب ایمان کا، کیا خطرہ ہے جسم و جان کا
اس مسئلے کو جو چھیڑے گا، پھر تاج اچھالے جائیں گے
کیا حاجت ہے ہمیں زندگی کی، پھر زندگی میں شرمندگی کی
سب وار کے پونجی جندڑی کی، خود بدن پہ کفن سجائیں گے
گستاخ نبی ﷺ کا چلتا پھرے، کیوں عاشق دل میں جلتا رہے
گستاخ کو آگ لگا کے ہی، سینے کی آگ بجھائیں گے
اس راہ محبت میں ہم سے، مہمان بنے جو جیلوں کے
کل خلد بریں کے باغوں میں، تختوں پہ دیکھے جائیں گے
اس راہ میں جن کو زخم لگے، وہ پھول ہیں گویا جنت کے
انہیں ساقی کوثر محشر میں، بھر بھر کے جام پلائیں گے
محبوب کی عزت گر مانگے، آصف کی جان بھی حاضر ہے
اک جان نہیں ان پر تو، لکھ بار بھی صدقے جائیں گے
اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ و عظم شانہ و اتم برہانہ کی حمد و ثناء اور
حضور سرور کائنات، مفرج موجودات، زینت بزم کائنات، دستگیر جہاں، نعمگسارِ زماں
سید سروراں، حامی بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد
مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر و محراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت و موّت، حاملینِ عقیدہ اہل سنت
نہایت ہی معزز و محترم حضرات و خواتین سامعین و ناظرین!
رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے صراطِ مستقیم کے اجالوں میں آج ہم
سب کو فہمِ دین کو رس کے انیسویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔
آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

تحفظِ ناموسِ رسالت ایک فرض اور قرض

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے، ناموسِ
رسالت کو سمجھتے ہوئے اس کے تحفظ کا فریضہ ادا کرنے اور اس سلسلے میں جو ہم پر قرض
ہے، اس کو اتارنے کی توفیق عطا فرمائے۔
محترم سامعین حضرات!

بحیثیت مومن ہر شخص ناموس رسالت کے سلسلے میں جس یقین، چاشنی
اور اطمینان کو محسوس کرتا ہے، اسے زبان پر الفاظ کے ذریعے سے بیان نہیں کیا
جاسکتا۔ ایک عام سا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، جو بہت بڑا محدث، مفکر نہیں، بالکل ان
پڑھ سادہ سا ایک امتی ہے، تو اس کے دل میں بھی اس مسئلہ کے لحاظ سے جو یقین
ہے، وہ اتنا بلند ہے کہ ہمالہ کی چوٹیاں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

ذَرَّہ خَاکِم وَلے بِاِمہر دارم دوستی

پائے کوبان تا فراز آسمان خواہم شدن

ایک مسلمان جو بظاہر عام سا ہے لیکن وہ اپنی اس حیثیت کو جانتا ہے اور اس پر رب ذوالجلال کا شکر گزار ہے کہ:

میں ایک ذرہ ہوں اور میری دوستی آفتاب کے ساتھ ہے وہ آفتاب اور اس کی کرن ذروں کو بلند یوں تک پہنچانے والی ہے۔

آج کا ہمارا موضوع اس سال کے ایک بہت بڑے حادثے کے لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے، ڈنمارک میں جو گستاخانہ خاکے شائع کئے گئے اور اس کے بعد پوری اسلامی دنیا میں جو اس پر احتجاج ہوا اور رد عمل ہوا اور پھر اس سلسلے میں مختلف سیمینار اور اعلیٰ اداروں کے اندر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ اس لحاظ سے بھی یہ اہم مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے اور **International affair** کے لحاظ سے بھی ایک اہم مسئلہ ہے اور اس وقت اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ان بد بختوں نے پھر ایک بار عاشقانِ رسول ﷺ کے سینوں کو زخمی کیا، جب رمضان المبارک میں ہی پھر ان خاکوں والی فلموں کو دوبارہ چلایا تو اس کی وجہ سے بھی ایک نئی صورتحال سامنے آرہی ہے۔

ہم نے چونکہ تمام تر مسلکوں سے بالاتر ہو کر اس ایمانی فریضہ کو سرانجام دینا ہے، تو اس سلسلہ میں ہمیں قرآن و سنت سے اپنا راستہ پوچھنا چاہئے اور زمانے کی ترجیحات، حکومتوں کے معاملات اور اس کے سوا اپنے داخلی بعض معاملات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنے ایمان کو بچانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اکرم ﷺ کی چاہتوں کے حصول کے لئے ہمیں روح کی گہرائی سے اس مسئلے کو سمجھنا چاہئے اور اسی لحاظ سے پھر اس کو آگے لے جانا چاہئے اور اس پر عمل پیرا

ہونا چاہئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر مومن کا ایمان

خالق کائنات جل جلالہ نے ہمیں جو اساسی عقائد دیئے ہیں، ان میں سے منصب نبوت سے متعلق اہم عقیدہ تمام رسولوں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کرام علیہم السلام میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو قیادت اور سیادت عطا فرمائی ہے۔

ہماری یہ گفتگو اس لحاظ سے بھی غیر مسلم دنیا اور بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کے لحاظ سے قابل غور ہے کہ مسلمان کبھی تو ہین رسالت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، جس کے دل میں بھی لذت ایمان موجود ہے، اس کے ہاں یہ نہیں ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور ناموس کا تو دفاع کرے اور معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ناموس پہ حملہ کر جائے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی پیغمبر کے بارے میں نازیبا لفظ بولے، ہمیں جو قرآن و سنت نے سکھایا ہے، وہ یہ ہے کہ جہاں بھی نبوت جلوہ گر ہوئی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ہر عیب کو دور رکھا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو عیوب سے پاک پیدا کیا ہے۔

اس واسطے عیسائیوں کو ہماری مجبوری سمجھنی چاہئے یعنی اگر ہم یہ رویہ رکھتے ہوتے کہ ہم ماہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے لئے تو کٹ مرتے ہوتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لحاظ سے ہمارے دلوں میں کوئی تقدس نہ ہوتا تو پھر یہ سوچتے کہ یہ ایک تعصب ہے، اس کی بنیاد پر یہ لوگ جلتے ہیں، جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمیں وہ

شخص اتنا ہی برا لگتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نازیبا الفاظ بول رہا ہو، جتنا ماہِ مدینہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا برا لگتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی نبی ہیں ان کا مقام مزید بلند و بالا ہے۔

جس نے نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کی ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گستاخی کی ہے، ہم ان گستاخوں کو نبوت کی گستاخی کے لحاظ سے مساوی سمجھتے ہیں اور ہمارا اس شخص کے بارے میں کوئی نرم پہلو نہیں ہے، نرم گوشہ نہیں ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گستاخی کرتا ہو، ہم اس کو پناہ دینے والے ہوں یا ہم اس کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے والے ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ ہم اس کو بھی اتنا بڑا مجرم سمجھتے ہیں کہ جتنا رسول اکرم ﷺ کے گستاخ کو مجرم سمجھتے ہیں، تو پھر عیسائی دنیا کو سوچنا چاہئے کہ وہ ہمارے بارے میں اس نگاہ سے سوچے کہ انہوں نے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو تقدس کی نگاہ سے مانا ہے۔

لہذا جب یہ ان انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کوئی عیب نہیں سن سکتے اور بیان نہیں کر سکتے کہ جب ان کی نبوتوں کا زمانہ گزر چکا ہے تو وہ نبی ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کا نبی بنایا ہے اور ہمیشہ کی نبوت جن کو عطا فرمائی ہے، ان کے بارے میں اس طرح کی نازیبا گفتگو کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

لہذا مغرب کو بالخصوص اس view سے اس دینی مسئلہ سمجھنا چاہئے کہ ہم منصبِ نبوت کے لحاظ سے بالکل حساس ہیں، اور یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی

انبیاء علیہم السلام کو ہمارے محبوب ﷺ کی نبوت کے جھنڈے کے نیچے نبوتیں عطا فرمائی ہیں اور وہ اپنے دور کے مستقل بنی رہے ہیں، وہ سارے کے سارے ہر عیب سے پاک ہیں اور ان میں سے جو کسی کی بھی گستاخی کرتا ہے، ہمارے نزدیک وہ کائنات کا سب سے بڑا مجرم ہے اور اس کو وہ سزا دینی چاہئے، جو کائنات کے سب سے بڑے مجرم کو سزا دی جاتی ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب

قرآن مجید کی سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۲۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَتَجِدَنَّ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

آپ ایسی قوم نہیں پائیں گے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر تو ایمان رکھے
يُؤَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرے۔

اللہ فرماتا ہے:

ایسی کوئی قوم میرے بندوں کے اندر نہیں ہو سکتی جو مجھے مانے اور آخرت کے دن کو نہ مانے، جو اول آخر ایمان کی حدود تھیں، ان کو بیان کر دیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ مجھے مانے میرے نبی ﷺ کو مانے، فرشتوں کو مانے، کتابوں کو مانے، قرآن کو مانے اور آخرت کے دن کو مانے، بعث بعد الموت کو مانے اور اس کے ساتھ اس کا Practical Life میں کیا معاملہ ہو۔

يُؤَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

رب کو اور رسول ﷺ کو مان کر دوستی ان سے کریں جو اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ایسا کوئی مومن نہیں ہو سکتا، مطلب کیا ہے؟ کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو وہ مومن نہیں ہے، جو ایمان رکھنے کے بعد اللہ کے دشمنوں سے اور رسول اکرم ﷺ کے دشمنوں سے محبت کرتا ہو اور ان کے ساتھ پیار کرتا ہو اور دوستی کی پیشگویی ان کے ساتھ بڑھاتا ہو، ایسا بندہ کسی لحاظ سے بھی مومن نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جو مجھے مانتا ہے، اور ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے، مومن بن گیا ہے، وہ کبھی بھی اس شخص کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتا، جو میرا باغی ہو اور میرے نبی ﷺ کا باغی ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رشتوں کو شمار کر کے بتایا کہ

اگر وہ بندے کا فلاں لگتا ہو اسکے ساتھ بندے کا فلاں رشتہ ہو، پھر بھی وہ اس سے پیار نہیں کرے گا۔

وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ

اگر چہ وہ اللہ کی گستاخی کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والے مومن میں سے کسی کا باپ ہو، تو یہ مومن اس باپ سے بھی محبت نہیں کرے گا۔

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ

اپنے بیٹے سے بھی پیار نہیں کرے گا۔

اگر اس کا بیٹا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے، تو اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے:

ایسا مومن نہیں ہو سکتا، جو مجھے مانے اور پھر اپنے اس بیٹے سے پیار کرے،
جو بیٹا میرا دشمن ہے اور میرے نبی ﷺ کا دشمن ہے۔

اللہ نے فرمایا:

وہی مومن ہو سکے گا کہ جو ایمان کے بعد یہ تقاضے پورے کرتا ہے کہ وہ جتنا
بھی قریبی کیوں نہ ہو، اگر وہ ہمارے دربار سے تعلق نہیں رکھتا، تو وہ مومن نہیں ہے،
بلکہ مومن وہ ہوگا جو اپنے گستاخ بیٹے سے کبھی بھی تعلق نہیں رکھے گا۔

أَوْ إِخْوَانَهُمْ

خواہ وہ ان کے بھائی کیوں نہ ہوں۔

مومن وہ ہوگا، جو گستاخ بھائی سے بھی تعلق نہیں رکھے گا۔

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

خواہ، وہ ان کے خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔

ان سے بھی اپنا یہ تعلق ختم کرتا ہے، ان گستاخوں سے رابطہ منقطع کرتا ہے، یہ
اصل میں حقیقی مومن ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی
اور رسول اکرم ﷺ کی محبت دونوں یکجا محبتیں ہیں، یہ ایک طرف ہیں اور دوسری
طرف برادری کی محبت ہے، دوسری طرف باپ کی محبت ہے اور دوسری طرف بیٹے
کی محبت، دوسری طرف بھائی کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مومن وہ ہوتا ہے، جو اللہ اور رسول ﷺ کی محبتوں کا جھنڈا ساری محبتوں پر

غالب کر دیتا ہے۔

ان محبتوں سے کوئی محبت ایسی نہیں ہے، جو اس کو راہِ حق سے پیچھے ہٹا سکے، وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا اور ان کے ساتھ وہ نرم رویہ نہیں رکھ سکتا، ان کے ساتھ موڈت نہیں کر سکتا، ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔

ایمان اس چیز کا نام ہے کہ بندے کو معاملاتی زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور رسول ﷺ کے ساتھ محبت کا یوں ثبوت دینا پڑے گا کہ ان کے دشمنوں سے مکمل بائیکاٹ کرنا پڑے گا اور دشمنوں کے ساتھ محبت کا رابطہ رکھنا بالکل جائز نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ان خاص رشتوں کا ذکر کیا، تو مطلب کیا تھا؟ کہ جب ان قریبوں سے پیار کرنا جائز نہیں تو اجنبیوں سے کیسے جائز ہوگا، جب کوئی پہلے مسلمان ہو اور پھر وہ گستاخ بن جائے اور وہ بھائی ہو یا بیٹا ہو، وہ باپ ہو یا چچا ہو، اس کے ساتھ جب رابطہ جائز نہیں ہے تو ایک عیسائی کے ساتھ کیسے جائز ہے؟ اور ایک یہودی کے ساتھ کیسے جائز ہے؟ یا ایک اجنبی مسلمان کے ساتھ جس نے گستاخی کی ہے، اس کے ساتھ اس کا تعلق کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ایسا مومن نہیں ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ مومن وہی ہوتا ہے، جب ایمان آ جاتا ہے، تو پھر ان ذوات کا جو دشمن ہوتا ہے، وہ مومن ان سے دشمنی رکھتا ہے، ان کے ساتھ محبت نہیں کرتا، ان

کے ساتھ نرمی نہیں کرتا، بلکہ اس کا ایمان اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس انداز میں زندگی گزارتا ہے کہ ہر ماحول کے اندر اپنے ایمان کی متاع کو محفوظ کر کے رکھتا ہے۔

اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دشمنی کرنے والے مومن کا اجر اللہ تعالیٰ نے پھر ان لوگوں کا اجر بھی بیان کیا، چونکہ یہ کام چھوٹا نہیں، بہت بڑا کام ہے، اس سے جگر پکھلتا ہے، اور بڑے بڑے لوگ جن کا ایمان صنوبر کے درختوں کی طرح ہو، جب ایسی آندھیاں چلتی ہیں تو وہ گرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی جڑیں اکھڑ جاتی ہیں۔

اپنے قریبیوں کو چھوڑنا محض اللہ کی وجہ سے، باپ کو چھوڑ دینا، بھائی بیٹے کو چھوڑ دینا، بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن جو ایسا کرے، خدا اور رسول ﷺ کے لئے اس کو کیا ملتا ہے، اللہ فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔

یعنی ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے، پکا کر دیا ہے، ایمان کا نقش رب نے بھر دیا ہے، یعنی وہ اتنا پکا ہے، اس کو کوئی اور محبت مٹا نہیں سکتی، بھائی برادری کی محبت بیٹے باپ کی محبت اس نقش کو مٹا نہیں سکے گی، پہلے نمبر پر تو ان کا ایمان ایسا کامل ہے اور انعام یہ ہے کہ اس کی اللہ نے خود اپنی طرف نسبت کر دی کہ اللہ نے ان کے دلوں پر ایمان کے نقش لگا دیئے ہیں۔

وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔
اللہ تعالیٰ ان کو تنہا نہیں چھوڑے گا، اگرچہ پوری دنیا بھی ان کی مخالف ہو جائے، مگر یہ پکے ایمان والے لوگ اپنی جگہ برقرار رہیں گے، ان کا تقویٰ ان کی حمیت، ان کی جرأت ہمیشہ برقرار رہے گی، اس واسطے کہ یہ دنیا میں کسی کے ریا لوں اور ڈالروں کے محتاج نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ تم نے ان کی ہمیشہ حمایت کرنی ہے۔

وَيَدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اللہ انہیں جنت میں داخل کرے گا، وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

خَالِدِينَ فِيهَا

یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اللہ ان سے راضی ہوگا اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

اس حال میں جنت میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ

یہ ہے اللہ کی پارٹی، یہ اللہ کی جماعت ہے، یہ اللہ کا گروہ ہے۔

أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

خبردار! جو اللہ کا گروہ ہے، وہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

دوسرا کوئی کامیابی نہیں پاسکتا۔ اب اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے

لئے محبتوں کا نصاب تھا، اس کو کھول کے بیان کر دیا اور اس بات کو واضح کر دیا کہ کچھ فرائض ایسے ہیں، جن کو سال کے اندر ایک بار ادا کرنا پڑتا ہے، ایک مہینے کے اندر، اور کچھ فرائض اس انداز کے ہیں کہ وہ فرائض ادا کرتے وقت بندے کو دن میں پانچ مرتبہ وہ فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے، مگر یہ اللہ کی محبت کا فریضہ اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا فریضہ، یہ عشق رسول ﷺ کا فریضہ اتنا بڑا فریضہ ہے کہ جس کی بنیاد پر ہر سانس میں بندے پر ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

اگر ایک سانس، ایک لمحہ کے اندر بھی، وہ اس فریضہ سے غافل ہو جاتا ہے اور اس فریضہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے، تو اس کا اثر کیا پڑتا ہے، وہ ایمان کی حلاوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس واسطے یہ ایک دائمی فرض ہے، ایک چاہت ہے، ایک کیفیت ہے کہ جس کا مطالبہ کیا گیا ہے، ہر وقت جو مومن اپنے ایمان کو برقرار رکھنا چاہتا ہے، اسے یہ فریضہ اپنے دل میں محفوظ کرنا پڑے گا۔ اب اس کی اساسی گفتگو کو سمجھنے کے لئے اس آیت کا شان نزول دیکھنا چاہئے۔

آیت کا شان نزول

اس آیت کے شان نزول کو امام قرطبی نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت کیوں نازل ہوئی۔

اصل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے جب کلمہ نہیں پڑھا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے، ویسے تو یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعزاز ہے کہ یہ خود بھی صحابی ہیں، ان کے والد گرامی بھی

صحابی ہیں، ان کے بیٹے بھی صحابی ہیں اور ان کے پوتے بھی صحابی ہیں، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے، جب حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ نہیں پڑھا تھا، ایک دن بول رہے تھے کہ:

أَنَّ أَبَا قُحَافَةَ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو گالی دی۔

جس وقت انہوں نے گالی دی، تو کیا ہوا

فَصَعَّهُ أَبُو بَكْرٍ صَكَّةً

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو یوں تھپڑ مارا کہ وہ منہ کے

بل گر پڑے

فَسَقَطَ مِنْهَا عَلَى وَجْهِهِ

جب ابو قحافہ رضی اللہ عنہ اپنے منہ کے بل گرے تو اس کے بعد اٹھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے

فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ

عرض کرنے لگے:

یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ کے بارے میں میرے والد کے منہ سے کچھ

لفظ نکل گئے تھے تو مجھ سے برداشت نہ ہوا، وہاں تو میرا امتحان تھا کہ والد بھی ہے،

بوڑھا بھی ہے اور پھر آپ ﷺ کا معاملہ تھا تو میں نے ایک تھپڑ مارا ہے تو وہ منہ کے بل گرے ہیں۔

فَقَالَ أَوْ فَعَلْتَهُ

آپ ﷺ نے فرمایا: اے صدیق! کیا تم نے واقعی ایسا کیا ہے؟
تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ ﷺ، تو
آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَعُدُّ إِلَيْهِ

اے صدیق! آئندہ ایسا نہ کرنا۔

محبوب ﷺ اپنی طرف سے جو شفقتیں فرمانے والے ہیں، اس کا آپ ﷺ
اظہار کر رہے تھے، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ!
آج جو انداز تھا میرا

وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا

مجھے اس خدا کی قسم ہے، جس نے آپ کو سچا نبی بنایا ہے

لَوْ كَانَ السَّيْفُ مِنِّي قَرِيبًا لَقَتَلْتُهُ (اسباب نزول: ۲۷۷)

اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں باپ کا سر اتار دیتا۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ آپ کے بارے میں بولے اور میں اس کو کچھ نہ کہتا،
اس وقت پاس کچھ نہیں تھا، میں نے تھپڑ مارا ہے اور اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں
کبھی بھی نہ چھوڑتا، اپنے باپ کا سر قلم کر دیتا، جب یہ گفتگو ہو رہی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمادی کہ:

اے محبوب ﷺ تمہارے دیوانوں کی اور تمہارے عاشقوں کی یہی شان ہے، ان کا ایمان ان کو مجبور کرے گا، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ تجھے اور مجھے مانیں اور پھر ہمارے گستاخوں کو یہ معاف کر دیں، اگرچہ ان کے باپ ہوں گے، پھر بھی یہ نہیں چھوڑیں گے، اور ان سے اس طرح کا معاملہ کریں گے، تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ رسول اکرم ﷺ کا جو کلمہ پڑھتا ہے، اس کو یہ حیثیت مل جاتی ہے۔

محمد ﷺ ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارے
پدر، مادر، برادر، جان مال اولاد سے پیارے

دوسرا شان نزول

دوسرا اس کا شان نزول حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَتَلَ أَبَاكَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الْجَرَّاحِ يَوْمَ أُحُدٍ (اسباب نزول: ۷۵۳)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ الجراح کو اپنی تلوار سے احد کے میدان میں قتل کیا۔

بہر حال رسول اکرم ﷺ کے اس صحابی ابو عبیدہ اللہ بن الجراح نے جس وقت مخالف کیمپ میں اپنے باپ کو دیکھا ہے، ان سے برداشت نہیں ہو سکا کہ یہ میرے محبوب سے لڑنے کے لئے آگیا ہے اور پھر سلامت واپس چلا جائے، یہ وہ انداز تھا

جو چشم فلک نے کہیں نہیں دیکھا کہ ایک انسان کی محبت میں لوگ یہاں تک چلے گئے ہیں کہ ان کو اپنے رشتے بھول گئے ہیں اور اپنے رشتوں کی محبتیں بھول گئی ہیں، اور والدین کے ساتھ جو پیار ہے، وہ ختم ہو گیا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب جراح کو قتل کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت نازل کر دی ہے کہ ایمان والوں کا مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا ایمان برقرار تب رہتا ہے، جب ایمان کو محفوظ کرنے کے لئے جو بھی ان کو اپنے محبوبوں کا مخالف نظر آتا ہے یا دشمن نظر آتا ہے اور پھر وہ گستاخیاں کرتا ہے تو یہ اس سے زمین کو پاک کر کے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے دل اور سر پر صرف ایک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

یہی وہ صورت حال تھی، جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا تھا تو ان کی امی کہتی تھیں کہ اے سعد! واپس آ جاؤ، ورنہ میں مرجاؤں گی، اس بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دو اور اس دین کو چھوڑ دو تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا:

لَوْ كَانَتْ لَكَ أَلْفُ نَفْسٍ فَخَرَجْتُ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِينِي هَذَا لِشَيْءٍ

میری امی تیری ایک جان ہے، جس کی تم مجھے دھمکی دے رہی ہو کہ میں واپس آ جاؤں، ورنہ تم مرجاؤ گی، تم مر کے کیا کر لو گی، اگر تمہاری ہزار جانیں ہوں، ہر جان کے نکلنے پر تم مجھے warning دو کہ سعد واپس آؤ، ورنہ میں مرجاؤں گی، میری ماں تجھے ہزار بار مرتاد دیکھوں گا، مگر ایک بار بھی در حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس نہیں آؤں گا۔

اس آیت کے شان نزول کو اسباب نزول کے اندر بیان کرتے ہوئے یہ کہا

گیا کہ بالخصوص یہاں جو آرہا ہے،

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ

خواہ وہ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، گستاخ ہوں اور بیٹے ہوں، تو پھر بھی مومن ان سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔

یہاں پر بطور خاص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا، دیگر کتب تاریخ الخلفاء میں عبدالرحمن بن ابی بکر کے لحاظ سے ہے، جس وقت انہوں نے اسلام لانے کے بعد کہا تھا کہ اے ابا جان! جنگ بدر میں آپ میری تلوار کے نیچے آگئے تھے اور میں نے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ آپ میرے والد ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کے بیٹھ گئے اور چہرہ سرخ ہو گیا، فرمایا: لَوْ أَهْدَفْتُ لِي يَوْمَ بَدْرٍ لَمْ أَنْصَرِفْ عَنْكَ

تم نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اگر بدر کے دن تم میری تلوار کے نیچے آتے، تو میں تجھے کبھی بھی معاف نہ کرتا۔

لیکن اس مقام پر قرطبی میں حضرت عبداللہ کے حوالہ سے یہ ذکر ہے کہ جس وقت بدر کے دن صفیں بنیں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میرا بیٹا مخالف صف میں کھڑا ہے تو نبی اکرم ﷺ سے اجازت مانگی، یا رسول اللہ ﷺ! ابھی جنگ کا آغاز نہیں ہوا، وہ ایک ایک پہلوان کر کے نکلیں گے، پھر دو دو کر کے نکلیں گے، پھر تین تین، پھر دست بدست لڑائی ہو جائے گی، یہ سارا منظر بعد میں ہوگا، میں چاہتا ہوں، باپ بیٹے کی لڑائی پہلے ہو جائے، مجھے اجازت دو کہ میرا بیٹا جو مخالف سمت

میں کھڑا ہے، میں اس کے پاس جا کر بدلہ لوں اور اس کو بتاؤں کہ تم کس انداز میں میرے محبوب ﷺ کے خلاف نکلے ہو، اس دن میرے نبی ﷺ نے یہ جملہ بولا تھا:

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَتَّعْنَا بِنَفْسِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! اپنی جان سے مجھے فائدہ دو تم میرے لئے کتنے ضروری ہو،

أَمَّا تَعْلَمُ أَنَّكَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ

تم یوں ہو، جیسے آنکھیں اور کان ہوتے ہیں۔

تم میری آنکھیں ہو اور میرے کان ہو، ابو بکر میں تجھے کیسے اجازت دے دوں، لہذا جو معاملات ہوں گے، ہوتے رہیں گے، سرکارِ دو عالم ﷺ اسی دن ہی خلافت کی نوید سنار ہے تھے، آنکھیں اور کان سے تشبیہ دے کر پوری ملت اسلامیہ کے اندر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جو مرتبہ تھا، رسول پاک ﷺ نے اس کو واضح فرمایا ہے اور قرآن مجید کی آیت نازل ہو گئی کہ یہ ہے ایمان کہ اگر ان کو اپنا بیٹا اپنے محبوب ﷺ کے خلاف نظر آجائے تو اس کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور فوراً ارادہ کر لیتے ہیں۔

أَوْ إِخْوَانَهُمْ

خواہ وہ ان کے بھائی ہوں۔

اس سلسلے میں بھی وہ اپنا انداز یہی رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو بطور خاص کردار ہے، وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ہے، جنہوں نے بدر کے دن

اپنے بھائی عبید بن عمیر کی کھوپڑی جدا کر دی، بدر کے دن چشم فلک نے عجیب نظارہ دیکھا کہ بھائی بھائی کو قتل کر رہا ہے، وہ گہرے رشتے آج اس بنیاد پر، اس نظریے کے لحاظ سے بدل گئے ہیں، یہ نہیں دیکھا جا رہا کہ رنگ ایک ہے یا بولی ایک ہے یا خون ایک ہے، بلکہ یہ دیکھا جا رہا ہے کہ وہ پیغمبر کا عاشق ہے یا گستاخ ہے، سید عالم ﷺ کے لحاظ سے اس کی حیثیت کیا ہے۔

یہ اصل میں ملت اسلامیہ کی بنیادی طور پر روح ہے اور یہ ہماری رشتہ داریوں کی بنیاد ہے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اپنے بھائی عبید کو قتل کر کے اس بات کو واضح کیا کہ

محمد ﷺ ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارے
پدر، مادر، برادر، جان مال اولاد سے پیارے
أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

خواہ کنبہ ہی کیوں نہیں ہے، ان سے بھی ٹکرائے ہیں۔

یعنی

عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَتَلَ خَالَهَ الْعَاصَ بْنَ هِشَامِ بْنِ
الْمُغِيرَةِ يَوْمَ بَدْرٍ (تفسیر قرطبی ۹/۲۷۵-۲۷۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن خود قتل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کرتے ہوئے

اپنی چمکتی تلوار سے اس بات کو ثابت کیا کہ ساری محبتوں سے بالاتر جو محبت ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت ہے، اس محبت کی **opposition** میں جو بھی آئے گا، خواہ چچا ہو یا ماموں ہو خواہ باپ ہو، یا بیٹا ہو، اس کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ ایسے ہی (عشیرۃ) کے لحاظ سے یہ بھی ہے کہ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما بدر کے دن اپنی برادری کے لوگوں کو، عبتہ اور شیبہ کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ ہمیں رب ذوالجلال نے جو دین دیا ہے، اس دین کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ جو بھی ہمارے محبوب ﷺ کے خلاف آئے گا، ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس سے رشتہ داری کیا ہے، ہم یہ دیکھیں گے کہ یہ ہمارے نبی ﷺ کا گستاخ ہے، لہذا ان کا فیصلہ ہماری تلواں کریں گی۔

یہ مقدس شخصیات کا کردار تھا کہ جن کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ان لوگوں نے یہ کام کیا تو اللہ نے یہ انعام دیا اور قیامت تک کیلئے اللہ نے یہ پیغام دیا کہ قیامت تک مومن وہی رہے گا کہ جو اس نقش قدم پر چلے گا، یعنی ایسے کچی لسی والے ایمان کے لوگ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہو سکتے اور ان کے ایمان کو اللہ اپنی طرف سے کتابت قرار نہیں دیتا، جو یہ کہیں کہ ایمان بھی رہے گا اور رشتہ داری بھی رہے گی، ایمان بھی رہے گا، برادری بھی رہے گی، ایمان بھی رہے گا اور بھائی ہے یا باپ ہے، اگر گستاخ ہے لیکن باپ اور بھائی تو ہیں، یہ بھی رہیں گے۔ نہیں نہیں، اللہ تعالیٰ نے جھڑک کے فرما دیا کہ

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

ایسی قوم ہرگز مومن نہیں ہو سکتی، جو ایمان بھی رکھے اور ان گستاخوں کا دھیان بھی رکھے۔

فرمایا، نہیں نہیں، بلکہ وہی مومن رہے گا کہ جو اسی انداز میں اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرے گا۔ اس وقت میں آیت کے بعد ایک چھوٹا سا sketch بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آج جو اعتقادی طور پر مرض ہے، جو کینسر کی طرح امت میں آیا ہے اور جسد ملت کو جس نے کھوکھلا کیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں نے منصب نبوت کو بالکل مذاق سمجھ لیا ہے کوئی کہتا ہے بڑے بھائی جیسے ہیں، کوئی کہتا ہے گاؤں کے چودھری جیسے ہیں اور کوئی کہتا ہے، ڈاکے جیسے ہیں، یہ انداز لوگوں نے اپنایا ہوا ہے، حالانکہ

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید، جنید و بایزید ایس جا

منصب نبوت کا جو مقام ہے اور اس کی جو حیثیت ہے، وہ عرش سے بھی نازک تر ہے، اس واسطے انسان کو اس سلسلہ میں پوری طرح حساس ہونا چاہئے کہ کہیں کوئی ایسا جملہ اس کی زبان سے نہ نکلے۔ اتنی نزاکت کسی شیخے میں نہیں ہے جتنی منصب نبوت کے اندر موجود ہے اور اتنا تقدس کسی شبنم کے شفاف پن میں نہیں ہے، جتنا کروڑ مرتبہ اس سے زائد تقدس اللہ نے منصب نبوت کو عطا فرمایا ہے۔

اس واسطے اس منصب نبوت کا ایک انداز ذہن میں رکھتے ہوئے پھر ہمیں survey کرنا چاہئے کہ آج اگر بیرونی محاذ پر ہمیں شور شیں نظر آرہی ہیں اس کے اسباب اندرونی محاذ میں موجود ہیں اور کچھ لوگ اندرونی محاذ کے اندر جو ہیں، انہوں

نے دروازہ کھولا ہے کہ جس کی وجہ سے میری محاذ پر اتنی قباحتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس لیے ہم صدق دل سے، خلوص اور ایمان کی اس مجلس کے اندران کو دعوت فکر دیں گے کہ اگر کوئی ایسا شخص ایسا دہندہ کر رہا ہے تو خدا را اس ملت پہ احسان کرتے ہوئے اپنی ان باتوں سے باز آ جائے، تاکہ جو بیرونی غیر مسلم ہیں، ان کو پتہ چلے کہ مسلم امہ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں کس قدر عالی نظریات رکھنے والی ہے۔ یہاں پر سب سے پہلے حسب المفتین کا فتویٰ بیان کرنا چاہتا ہوں، اس کے بعد اس کا ماخذ بیان کروں گا، البحر المحیط میں امام علم الہدی نے اس کو بیان کیا ہے۔

مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ

جس شخص نے نبی ﷺ کو گالی دی

أَوْ أَهَانَهُ

یا اہانت کی

أَوْ عَابَ فِي أُمُورِ دِينِهِ أَوْ شَخْصِهِ أَوْ فِي وَصْفٍ مِنْ أَوْ صَافِهِ

یا جس نے آپ کے امور دینیہ میں عیب لگایا یا ذاتی معاملے میں عیب لگایا۔

شخص سے مراد رسول اکرم ﷺ کی ذات ہے اور تشخص ہے، مثال کے طور پر

آپ کا قد مبارک ہے اور آپ کا چہرہ مبارک ہے، آپ کے ہاتھ مبارک ہیں، آپ کے

خاکہ شخصی کے لحاظ سے کوئی عیب لگاتا ہے کہ معاذ اللہ ناک اس طرح کی تھی، اس میں

عیب بیان کرنا مقصود ہو، اور تو اور رہا، یہاں تک کہ فتاویٰ عالمگیری میں یہ کہا گیا

لَوْ قَالَ لِنَعْلِ النَّبِيِّ ﷺ نَعِيلٌ يَكْفُرُ

اگر رسول اکرم ﷺ کے نعلین میں سے ایک کو حقارت کی نگاہ سے اتنا کہہ دے گا کہ یہ چھوٹا جوتا ہے، اس کا ایمان سلامت نہیں رہے گا۔

اَوْ فِیْ وَصْفٍ مِنْ اَوْصَافِهِ

یا رسول اکرم ﷺ کے اوصاف میں سے کسی وصف پر کوئی بندہ hit کرتا ہے۔
اب اس میں عموم آگیا کہ وہ hit کہاں کرے گا، ذات پر یا تعلیمات پر یا پھر اوصاف پر، یہ پہچانئے کہ یہ دھندہ کیسے ہوتا ہے۔

آج ہمارے ہاں کچھ مغرب زدہ لوگ اور اپنے تئیں نام نہاد دانش ور اور مفکر، وہ محبوب ﷺ کے مرتبے کو عام سمجھتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو Oxford سے مسلمانوں کے بچے پڑھ کے آئے تھے، آج بولتے ہوئے ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم ایک پیغمبر کے بارے میں اپنی زبان کھول رہے ہیں اور جو سارے رسولوں کے سردار ہیں، ان کے بارے میں بول رہے ہیں۔ تو وہ بولتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی سنت کی توہین کر جاتے ہیں،

داڑھی مبارک پر کوئی جملہ بول جاتے ہیں، سرکار ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ سخت ہیں، یہ ظالمانہ حدود ہیں، یہ فلاں ہیں، یہ فلاں ہیں، اس طرح کا کوئی جملہ بول جاتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ ڈنمارک میں اگر کوئی گستاخی کرے تو وہ گستاخی ہوتی ہے نہیں نہیں! اگر کوئی اسلام آباد میں گستاخی کرتا ہے تو وہ بھی یوں ہی ہوتی ہے، اگر کوئی گوجرانوالہ میں یوں بولتا ہے، تو وہ بھی گستاخی ہوتی ہے، کیوں؟

ہمارے رسول اکرم ﷺ کی سنت ہمارے لئے final طریقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے اس پہ جو تنقید کرے گا اس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی توہین کی ہے۔ یہ شریعت اللہ کی طرف سے فاضل شریعت ہے اور اس پر جو تنقید کرے گا، وہ توہین رسالت کر رہا ہے۔ ایسے ہی نبی اکرم ﷺ کی ذات کا معاملہ ہے، جو محبوب ﷺ کو معاذ اللہ یوں تشبیہات دے، لوگوں دیکھو! کہیں میری کرسی کے نیچے تو نہیں بیٹھے ہوئے، کہیں یہاں تو نہیں ہیں، اس طرح کی باتیں کر کے رسول اکرم ﷺ کے نور کو تولنے کی کوشش کرے، علوم کے بارے میں اپنی طرف سے کہتا پھرے اور یہاں تک کہہ جائے کہ ان کو کل علم تو آتا نہیں تھا، بعض میں ان کی کیا فضیلت، ایسا تو زید، عمر، بکر، پاگلوں اور حیوانوں کو بھی حاصل ہے، اس طرح کی جو باتیں کر رہا ہے تو وہ شخص نبی ﷺ کی ذات پر بھی تنقید کر رہا ہے، اوصاف پر تنقید کر رہا ہے۔

تنقید کے لحاظ سے وہ سنت پر تنقید کرے، شریعت پہ تنقید کرے، سرکار ﷺ کے پیکر پہ تنقید کرے یا سرکار ﷺ کی صفات پر تنقید کرے، یہ سارے لوگ برابر کے مجرم ہیں، ان سب کو گستاخانہ صف میں برابر کا شمار کیا جائے گا

یہاں پر تو یہ تھا کہ اس گستاخی کا رخ کس طرف ہے، تو نبی اکرم ﷺ کے یہ شعبہ جات ہیں، ان میں سے کسی کی طرف اگر رخ ہوگا تو گستاخی شمار ہوگی، اب یہ کہ وہ گستاخ ہیں کون؟ آگے فرماتے ہیں:

سَوَاءُ كَانَ الشَّائِمُ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ غَيْرِهَا سَوَاءُ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ذِمِّيًّا أَوْ حَرِّيًّا

وہ جس نے رسول ﷺ کی ذات، وصف یا تعلیمات پر تنقید کی ہے، وہ امت محمدی ﷺ سے ہو یا اس کے علاوہ ہو، آگے عام ہے کہ وہ اہل کتاب سے ذمی ہو یا حربی ہو، وہ گستاخ قرار پائے گا۔

سَوَاءٌ كَانَ الشَّتْمُ أَوْ الْإِهَانَةُ أَوْ الْعَيْبُ صَدَرَ عَنْهُ عَمْدًا أَوْ قَصْدًا أَوْ
سَهْوًا أَوْ جِدًّا أَوْ هَزْلًا

خواہ اس نے گستاخی ارادے سے کی ہو، یا اس نے سہو سے کی ہو، سہو کا مطلب یہ ہے کہ وہ گستاخی کا نظریہ رکھتا ہے اور اس نظریے میں بھول گیا تھا، بھول سے اس نے وہ گستاخی گھڑی ہوئی ہے، یعنی نظریاتی الجھن میں آ کر اس نے وہ گستاخی کر دی ہے۔

یا وہ گستاخی مذاق کے انداز میں ہو یا سنجیدگی کے انداز میں ہو۔
علامہ علم الہدی فرمانے لگے، سب میں برابر کا مجرم ہے، رسول اللہ ﷺ کی گستاخی جس انداز میں ہو اور جس انداز میں بھی وہ اہانت کرے تو اس کو کیا کہا جائے گا، وہ فرماتے ہیں:

فَقَدْ كَفَرَ خُلُودًا

وہ دائمی کافر ہو گیا۔

بِحَيْثُ إِنْ تَابَ لَمْ تُقْبَلْ تَوْبَتُهُ أَبَدًا

اس لحاظ سے کہ اگر وہ توبہ بھی کرے گا تو اس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوگی۔

وَحُكْمُهُ فِي الشَّرِيعَةِ عِنْدَ مُتَأَخِّرِ الْمُجْتَهِدِينَ إِجْمَاعًا الْقَتْلُ

شریعت میں متاخرین مجتہدین کے نزدیک اس گستاخ کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

وَلَا يَدَاهُنْ سُلْطَانٌ أَوْ نَائِبُهُ فِي حُكْمِ قَتْلِهِ

اس کے قتل کے معاملے میں بادشاہ یا بادشاہ کا نائب کسی مصلحت کو نہ دیکھے۔

بادشاہ ہو یا اس کا نائب ہو، جس کے پاس وہ **case** پہنچا ہے تو شریعت کہتی ہے کہ وہ کبھی بھی اس گستاخ کو مہلت نہ دے۔ آج یہی حکومتیں گستاخوں کو راتوں رات کسی کو جرمنی پہنچا دیتی ہیں اور کسی کو کسی اور ملک میں پناہ دیتی ہیں، جب کہ شریعت مطہرہ نے جس شخص کو مسلمانوں کا حاکم کہا ہے، اس پر لازم کیا ہے کہ اگر ایسی گستاخی ہوگئی تو حاکم اور اس کے نائب پر لازم ہے کہ وہ کسی مصلحت کا شکار نہ ہو، فوراً اس شخص کو جس نے توہین کی ہے اور ثابت ہوگئی ہے، اس بندے کو قتل کر دیا جائے۔

وَإِنْ فَاتَ فِي قَتْلِهِ الْمَصَالِحُ الدُّنْيَوِيَّةُ

اگرچہ اس کے قتل سے دنیا کی بہت سی مصلحتیں ضائع ہو رہی ہوں۔

مثلاً قتل کریں گے تو حکومتیں خلاف ہو جائیں گی، قتل کریں گے تو قرضہ نہیں ملے گا اور ہر طرف سے **boycott** ہو جائے گا، تنگی ہو جائے گی تو شریعت مطہرہ نے یہ واضح کیا کہ اگرچہ اس گستاخ کے قتل کی وجہ سے تمہاری خوراک بند ہو جائے، تمہارا پانی بند ہو جائے اور تمہاری زمین تنگ ہو جائے پھر بھی حاکم اسلامی پر لازم ہے کہ اس کو جیتا جی نہ رہنے دے، اگرچہ خود کو زندگی کسی طریقہ سے گزارنی پڑے، جتنی بھی دنیا کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں ہو جائیں مگر کبھی بھی گستاخ گستاخی کر کے

اس زمین پر زندہ رہنے کا حقدار نہیں ہے پھر فرماتے ہیں:

لَا نَهْ حَدٌّ وَجَبَ فَلَا يَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ

یہ ہمارا فتویٰ کیوں ہے؟ اس گستاخ کا جو قتل لازم ہوا تو بطور حد لازم ہوا اور حد ایسی چیز ہے، ثابت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی، جب تک کہ نافذ نہ کر دی جائے۔

كَحَدِّ الْقَذْفِ (حسب المفتین: ۳۳۷)

مثال کے طور پر حد قذف ہے۔

ایک شخص نے کسی پاکدامن مرد پر الزام لگا دیا تھا کہ اس نے بدکاری کی ہے اور اس الزام کو ثابت نہیں کر سکا تو الزام لگانے والے پر حد قذف لگائی جائے گی، جس کو اس نے کہا کہ اس نے برا کام کیا ہے، وہ کوئی نبی نہیں ہے، وہ کوئی رسول نہیں ہے، وہ کوئی غوث، قطب ابدال نہیں ہے، وہ کوئی صدیق اور اوتاد نہیں ہے، عام سامانہ بندہ تھا، لیکن اس نے جرم نہیں کیا تھا، اس پر اس نے الزام لگایا تو اب شریعت نے اس بندے پر حد قذف کا حکم لگایا، یہ مجرم کروڑ بار توبہ کرے، ایک بار بھی توبہ قبول نہیں ہوگی، کوڑے اس کو ضرور مارے جائیں گے، یہ حد کا قانون ہے کہ حد اگر ثابت ہو جائے تو حد ساقط نہیں ہوتی، تو یہ لوگ جن کی گستاخیاں ہیں اور یہ گستاخ رسول ﷺ کا مسئلہ جو میں بیان کر رہا ہوں، اس کے قتل کا جو فتویٰ دیا، اس کا سبب یہ تھا، کہنے لگے، یہ حد ہے اور حد اس کو قتل کیا جائے گا۔

شریعت کی حد ثابت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی، توبہ کا اس میں دخل ہی کوئی نہیں ہے، سوچنے کی بات ہے کہ ایک عام بندے کی عزت اتنی ہو، جس نے

نبی ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے، وہ سب سے نچلے درجہ والا ہے، مومن ہے اور پاکباز ہے، اس کے بارے میں اگر کسی نے گستاخی کر دی تو اس کی توبہ قبول نہیں ہے، لیکن وہ جو شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں، نبیوں کی نبی ہیں اور رسولوں کے قائد ہیں، اس کے بارے میں جو کوئی بھونکتا پھرے، کہہ دیا جائے، توبہ قبول ہوگئی۔

نہیں نہیں، اس کی توبہ کیسے قبول ہو جائے گی، یہ حد کی بنیاد پر جب قذف کی سزا توبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی، تو توہین رسالت کی سزا توبہ کی وجہ سے ساقط کیسے ہو جائے گی۔ لہذا کسی عرب لیگ کو یہ کب حق پہنچتا ہے یا او آئی سی (O.I.C) کو یا کسی دنیا کے بادشاہ یا کسی حرم کے امام کو یا سعودی حکمران کو کہ وہ کسی کو معاف کر دے کہ ہم فلاں صحافی کو معاف کر دیتے ہیں، وہاں کے وزیراعظم نے معذرت کر لی ہے، ان کو ہم چھوڑ دیتے ہیں، یہ کسی کے چھوڑنے کا مسئلہ نہیں ہے، یہ رب ذوالجلال کا جو دیا ہوا قانون ہے، اس کے مطابق یہ ہے کہ اگر گستاخ زندہ ہے، تو پوری ملت شرمندہ ہے، اگر گستاخ کا سر اتارا جائے گا تو پوری ملت کا قرض اتر جائے گا، اس واسطے ناموس رسالت کے لحاظ سے یہ مسئلہ ہے۔

یہاں معافی وغیرہ کا جو چکر ہے، یہ ایک پراپیگنڈہ ہے۔ حقوق العباد تو خدا بھی معاف نہیں کرتا، بندہ کون معاف کرے گا۔ یہ ہمارے نبی ﷺ کا حق ہے، اگر کسی میں صلاحیت ہے، تو کبید خضر سے معافی کا پروانہ لے لے اور اگر نہیں لے سکتا تو پھر اس کو غلاموں کی تلوار کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس فتویٰ کا جو میں نے بیان کیا، اس کا میری اپنی سوچ کے مطابق ماخذ کیا

ہے؟ قرآن و سنت کی بہت سی آیات اس کا ماخذ ہیں۔ بالخصوص بخاری شریف کی جو حدیث شریف ہے، وہ اس کا ماخذ ہے، وہ کیا ہے کہ میرے محبوب ﷺ سواری پہ بیٹھے ہیں، گدھے پہ تشریف فرما ہیں، مدینہ شریف کی گلی ہے، عبداللہ بن ابی ابن سلول کا محلہ ہے، وہاں سے جس وقت وہ سواری گزری ہے، ایک روایت میں ہے کہ وہ شور زدہ زمین تھی، کوئی غبار اٹھا ہوگا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ناک چڑھائی اور اللہ کی قسم اٹھا کے سرکارِ مدینہ ﷺ کے گدھے کی توہین کی کہنے لگا:

وَاللّٰهِ لَقَدْ اَذَانِي نَتْنُ حِمَارِكَ

خدا کی قسم! تمہارے گدھے کی بدبونی مجھے تکلیف دی ہے۔

جب اس نے یہ لفظ بولے، اب یہاں مسئلہ غور کرنے والا ہے کہ میں نے جو پہلے آپ کو قسمیں بیان کی ہیں، یہ اس سے بھی آگے کا معاملہ ہے۔

جب اس نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کے گدھے کی بدبونی مجھے تکلیف دی ہے تو یہ توہین، نبی ﷺ کی ذات کی نہیں تھی، یہ سرکارِ ﷺ کی شریعت کی توہین نہیں تھی، یہ نبی ﷺ کی صفات کی بھی توہین نہیں تھی کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا بھی پتہ نہیں، یہ بھی نہیں جانتے، وہ بھی نہیں جانتے۔ یہ محبوب ﷺ کی سواری کی توہین تھی، اس میں نہ تو سرکارِ ﷺ کی ذات کی توہین ہے، نہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی توہین ہے، نہ آپ ﷺ کی سنت کی توہین ہے اور نہ آپ ﷺ کی صفات کی توہین ہے اس میں گدھے کی توہین ہے جو ہے تو گدھا مگر سرورِ کونین ﷺ کا گدھا ہے۔

اس کے بارے میں اگر آج کا مزاج ہوتا کہ جو کچھ جگہ پہ استوار ہو گیا ہے،

لوگ کہتے ہیں، کوئی نہیں، انسانی حقوق بڑے ہوتے ہیں اور اگر کوئی ایسا کر دے تو چھوٹی موٹی بات ہو ہی جاتی ہے۔ یہ فلاں لوگ ہیں غصے میں آ جاتے ہیں اور فتویٰ بازی شروع کر دیتے ہیں۔ میں کسی **Narrow Mind** مفتی کی بات نہیں کر رہا، میں اس مفتی کی بات کرتا ہوں کہ جس نے سرکارِ مملکتِ اسلامیہ سے پوچھے بغیر فتویٰ دیا تھا اور عرشیوں کے مہمان نے فتویٰ منظور فرمالیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سرکارِ مملکتِ اسلامیہ کے صحابی ہیں، ادھر عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق ہے اور ادھر سرکار کے خادم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ موتہ کے میدان میں شہید ہوئے تھے اور قادر الکلام شاعر تھے اور جرنیل صحابی تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا کہ کس بد بخت نے میرے نبی ﷺ کے گدھے کو بد بو والا کہا ہے، اگر یہ ہوتا کہ خود تو مانو، لیکن جو کوئی کہتا ہے، کہنے دو، اس کو کچھ نہ کہو، یہ بھی ہمارے ہاں نظریہ **promote** کیا جاتا ہے کہ تم اپنا نظریہ پیش کرو، جو کوئی بندہ جو کچھ کہتا ہے، اس کو کہنے دو۔

یہ اسلام کی پالیسی نہیں ہے کہ جو کہتا ہے، اس کو کہنے دو اور تم صرف اپنی بات کرو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ موقف سچا ہوتا تو وہاں پر کھڑے ہو کے نعت خوانی شروع کر دیتے۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی

سب سے بالا و اعلیٰ ہمارا نبی

ہم اپنی بات کرتے ہیں اور اس کو کچھ نہیں کہتے، لیکن حضرت عبداللہ بن

رواحہ رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ نعت پڑھنے کے مقام اور ہوتے ہیں اور نعت پڑھانے کے مقام اور ہوتے ہیں، فرمایا، یہ مقام ناموس رسالت پہ پہرہ دینے کا ہے، جب تک میں اس گستاخ کی خبر نہیں لوں گا، اس وقت تک نعت پڑھنی مجھے نہیں آئے گی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کیا جملہ بولا:

وَاللّٰهُ لِحِمَارٍ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَطِيبٌ رِيحًا مِنْكَ (بخاری شریف: ۱/۳۷۰)

خدا کی قسم! اے بے وقوف! میرے پیغمبر ﷺ کا گدھا تجھ سے خوشبو والا ہے۔

قسم کی دو صورت حال تھیں، ایک تو یہ کہ نبی ﷺ کی تعریف کرتے، یقیناً اس میں بھی ثواب ملتا کہ تم والشمس، والضحیٰ ہو، طہ و یس ہو، تم سراج منیر ہو، بشیر و نذیر ہو، رحمۃ اللعالمین ہو، سید المرسلین ہو، یہ ساری صفتیں تھیں۔

دوسرا انداز کیا تھا کہ آپ تو ہیں جو کچھ ہیں اور یقیناً ہیں، لیکن جس نے گدھے کی گستاخی کی ہے، آخر وہ بھی تو کچھ ہے، اس کو بھی واضح کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سرکار ﷺ کی صدارت میں پوچھے بغیر فتویٰ دے دیا کہ اگرچہ تو شکل انسانی میں ہے، لیکن گدھے کے پیشاب سے بھی برا ہے، جو گدھا میرے نبی ﷺ کا گدھا ہے، یہ الفاظ جلالین کے ہیں کہ:

وَاللّٰهُ لَبَوْلٍ حِمَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَطِيبٌ رِيحًا مِنْكَ

خدا کی قسم! میرے پیغمبر ﷺ کے گدھے کا پیشاب بھی تجھ سے خوشبو والا ہے۔

اب یہ پالیسی واضح ہوئی کہ مومن کے ایمان کو بچانے کے لئے کوئی ذرائع ہیں ورنہ ایمان نہیں رہ سکے گا، ایمان ختم ہو جائے گا۔ جب ایسی بے ہودگی ہو تو ان

لوگوں کو ان کے حوالے سے جواب دینا پڑے گا کہ وہ کیا ہیں، ان کی حیثیت کیا ہے، کیلپڈی کیلپڈی کا شور با۔

کیا ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول سرکار ﷺ کے گدھے کے بارے میں بولے لہذا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے واضح جواب دیا:

وَاللّٰهُ لِحِمَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَطْيَبُ رِيْحًا مِنْكَ

خدا کی قسم! میرے رسول ﷺ کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبو والا ہے۔

اب یہاں پر ایک عام سادماغ تو یہ کہہ سکتا تھا کہ نبی ﷺ کی بات ہی نہیں ہوئی، نہ آپ کی سنت پر تنقید ہوتی ہے، نہ علم پر تنقید ہوئی ہے، یہاں پر لڑنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں، یہ گدھا ہے، گدھے کی کیا عظمت ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لڑے اور بتایا کہ یہاں گدھا بھی عظمت والا بن گیا ہے کیونکہ یہ سرکار ﷺ کی سواری بن گیا ہے۔ یہ سب تھا لوگو! کہ جس پھٹی پر قرآن رکھتے ہو، اس پہ پھر تم قدم نہیں رکھتے کہ یہ قرآن کی جگہ ہے۔ جس لکڑی پہ قرآن آجائے تو لکڑی کی شان بڑھ جائے، تو جس پیٹھ پہ صاحب قرآن آجائے، اس کی شان کیوں نہیں بڑھے گی۔

لہذا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے یہ سبق دیا کہ یہ معاملہ بڑا ہی حساس ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی توہین کی نیت سے یہ کہہ دے گا کہ ہمارے نبی ﷺ کی کپڑے میلے ہیں، اس کا بھی ایمان نہیں رہ سکے گا۔

اس واسطے جو رب ذوالجلال نے مرتبہ و مقام دیا ہے اسکے پیش نظر کوئی ایسا

لفظ مومن سواری کے بارے میں بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ آج اگر وہ تسلسل کے ساتھ عقیدہ برقرار رہتا تو کسی کو یہ خاکے بنانے کی جسارت نہ ہوتی کہ جو گدھے کے گستاخ کو یوں مارتے ہیں، وہ سرکارِ مصلیٰ علیہ السلام کی ذات کے گستاخ کو کیسے چھوڑیں گے۔ یہ صورتحال اس لئے بگڑی ہے کہ درمیان میں ایک پارٹی آگئی، کہ جنہوں نے گدھا تو گدھا رہا سرکارِ مصلیٰ علیہ السلام کی ذات کے بارے میں بولنا شروع کر دیا کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں، ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں وہ ہم جیسے ہیں، ہم ان جیسے ہیں، اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ غیروں کو یہ خاکے بنانے کی ہمت ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی فکر کو بخاری سے پیش کرتے ہوئے بین الاقوامی فورم پر اس بات کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم وہ نہیں ہیں، جو پیغمبر کو ڈاکیا کہیں یا بڑا بھائی کہیں یا ان کو گاؤں کا چودھری کہیں، کہاں کا ڈاکیا اور کہاں کی ڈاک، یہ ڈاک کا معاملہ نہیں، عظمتِ شاہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ یہاں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی گستاخی نہیں ہونے دی اور صرف یہ نہیں کہ زبان سے کہا بلکہ جوتوں اور مکوں سے لڑائی کی، اگرچہ یہ ساتھی تھوڑے تھے، محلہ اس کا تھا، کچھ کھائی بھی پڑی، مگر پھر بھی یہ ثابت کیا کہ اگر میں سوچوں گا کہ ساتھی اکٹھے کروں تو پھر آؤں تو اس وقت تک ایمان کیسے بچا کے لے جاؤں گا۔

بالخصوص یہ بات قابل غور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو کس کی مجال ہے کہ وہ فتویٰ دے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ

السلام آجائیں تو انہیں مجھ سے پوچھ کے چلنا پڑے گا جو میں کہوں گا، وہ انہیں کرنا پڑے گا، میری اتباع کے بغیر وہ نہیں چل سکیں گے۔

تو یہ کیسے ہوا کہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا تو صحابی کو پوچھنا چاہئے تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ یہ مسئلہ بیان فرمائیں کہ اگر کوئی شخص آپ کے گدھے کو بدبو والا کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ ایک نیا مسئلہ تھا، پہلے اس کی کوئی مثال نہیں تھی، پہلے ایسی تو ہین نہیں ہوئی تھی، اس مسئلے کا حکم پہلے صحابہ کرام نے نہیں سنا تھا، ان کو معلوم نہیں تھا اور مسئلہ پیدا ہو گیا تو صحابی کو پوچھنا چاہئے تھا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کے گدھے کو کوئی بدبو والا کہے تو اس پر خاموشی کرنی چاہئے یا اس پہ بولنا چاہئے، اگر بولنا چاہئے تو کیا بولنا چاہئے، پھر صرف بولنا ہی چاہئے یا ہاتھ بھی کھولنا چاہئے، ہمیں کیا کرنا چاہئے، یہ ساری باتیں پوچھنے والی تھیں مگر انہوں نے نہیں پوچھیں۔

حالانکہ سانس بھی سرکار ﷺ کی اجازت سے لیتے تھے تو کیا بتایا کہ ایسے معاملے میں سرکار دو عالم ﷺ کے پوچھنے تک کا انتظار کریں گے تو ایمان کیسے بچائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سرکار ﷺ کے ہوتے ہوئے اپنا فتویٰ نافذ کر دیا، بولنا شروع کر دیا، جملہ بھی گھڑ لیا کہ یہ بولوں گا، پھر مارنا بھی شروع کر دیا، مارا اور جنگ کی، رسول اکرم ﷺ نے بیٹھ کے سارا نظارہ دیکھا، اس کو رو نہیں کیا کہ فتویٰ درست نہیں، یہ تمہارا کام درست نہیں، سرکار ﷺ خوش ہوئے کہ یہ میری امت ہے جو میرے گدھے کے ناموس کی حفاظت کرتی ہے وہ میری ناموس کی کتنی نگہبان ہوگی۔

مختتم سامعین حضرات:

بات بڑی قابل غور ہے۔ یہاں پر ہم اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی ملک کی حکومت اور کہیں کی عدالتیں گستاخوں کو پناہ دیتی ہیں تو ہم نہ کسی عدالت کو مانتے ہیں نہ کسی کے حکم کو مانتے ہیں، ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مانتے والے ہیں۔ جب نبی ﷺ بیٹھے ہوں تو اس وقت فتوے کی ضرورت نہیں ہے تو آج کے کسی مفتی کے فتوے کی کیا ضرورت ہے، کوئی بندہ پہلے یہ کہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ فلاں نے یہ گستاخی کی ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ نہیں نہیں، ان مفتیوں کے فتویٰ کی ضرورت نہیں ہے، حکم کا تجھے پتہ ہے، اس حکم کو نافذ کر دو، اللہ تمہارے اجر کو پورا کر دے گا۔

اس واسطے ناموس رسالت کا یہ ایکٹ اور اس کی حیثیات سارے قوانین سے جدا ہیں، بلکہ اس لحاظ سے بھی شریعت کے اندر یہ قانون ہے کہ جو قاضی ہو وہ گواہ نہیں ہو سکتا، ایک شخص نے آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بندہ چوری کر رہا تھا اس نے خود دیکھا، اسی کا کیس اس جج کے پاس آ گیا، وہ اس کو پہچانتا ہے کہ وہ میرے سامنے چوری کر رہا تھا، اب جب مدعی نے اس کو چور کہا تو جج پر ضروری ہے کہ کہے گواہ پیش کرو، اپنے دیکھنے پر فیصلہ نہیں کر سکتا، اگر اپنی گواہی دیتا ہے تو پھر جج کوئی اور بنے، یہ گواہ بنے، جو جج ہو وہ گواہ نہیں، جو گواہ ہو، وہ جج نہیں، قربان جائیں ناموس رسالت کے تحفظ پر یہاں ہر بندہ جج بھی ہے گواہ بھی ہے، مفتی بھی ہے، قاضی بھی ہے، جس کو پتہ چل گیا ہے وہ اپنا حق پورا کرے، رب ذوالجلال اس کے اجر کو پورا فرما دے گا۔

اب اس مقام پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فتویٰ جاری کر دیا، محبوب ﷺ نے سن لیا، اس کو نافذ رکھا تو قیامت تک یہ ثابت ہوا کہ ہمارے محبوب ﷺ کی عظمت اور آپ ﷺ کا مقام یہ ہے کہ اگر گدھے پر تشریف فرما ہو جائیں تو یہ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کو بدبو والا کہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں صحابہ کرام پر کوئی **hit** کرے، انہیں خلفاء کو اور ان کے سسرال پر کوئی تنقید کرے، ان کے دامادوں پر تنقید کرے، نہیں نہیں، یہ سارا معاملہ دین کو **cover** کر رہا ہے، ان ساری احتیاط کے حدود پر جو مسلک قائم ہے، اس کو اہلسنت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی ضمناً عرض کرتا جاؤں، ویسے وہ آج موضوع نہیں ہے۔ یہاں پر ایک گدھے کا معاملہ ایسا آگیا حالانکہ مقابلہ میں تو انسان ہے اور انسان کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

ہم نے سب سے خوبصورت شکل انسان کو دی ہے

تو گدھے کے مقابلے میں کچھ تو انسان کا لحاظ رکھنا چاہئے تھا، پھر یہ ہی انسان نمازیں بھی پڑھتا ہے، جہاد بھی کرتا روزے بھی رکھتا ہے، اس کے باوجود اس کی کسی چیز کا لحاظ نہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قیامت تک ہمارے لئے دین واضح کر دیا کہ یہ نہ دیکھو، گدھا ہے یا انسان ہے، کلمہ گو ہے، یا گدھا ہے، یہ نہ دیکھو کہ اس کی صورتحال کیا ہے۔ اب گدھے کے مقابلے میں انسان، گدھے کے مقابلے میں پرہیزگار، نمازی اور مجاہد، کسی کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ ثابت کیا:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اگر نبی اکرم ﷺ کی فرمانبرداری گدھا کرتا ہے تو ہمیں وہ گدھا اچھا ہے اور اگر انسان سرکش ہے تو ہمیں اس سے گدھا پیارا لگتا ہے اور خوشبو والا لگتا ہے، اس واسطے کہ سارے کا سارا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اچھے تعلق پر ہے۔

اب یہاں پر معافی اور سنت کے لحاظ سے ایک بڑا مغالطہ دیا جاتا ہے

کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ تو دشمنوں کے لئے چادر بچھاتے تھے اور دشمنوں کو معاف فرما دیتے تھے اور تم اتنے غصے سے تقریریں کرتے ہو، امت کا مزاج تم پختہ کر رہے اور امت کو تم فتنوں کی طرف لا رہے ہو، یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ تو دشمنوں کے لئے بھی چادر بچھا دیتے تھے، معافی آپ کی شان تھی اور اگر کوئی گستاخی کرتا ہے تو ہمیں بھی معاف کر دینا چاہئے۔ اس کے بارے میں اتنی سختی کیوں ہے۔

انہیں سوچنا چاہئے کہ سنت کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے اگر اپنے دشمن کو معاف کیا ہے تو اس میں سنت یہ بنی کہ ہم بھی اپنے دشمن کو معاف کر دیں، سرکار ﷺ اپنے دشمن کو چاہے تو معاف کریں، چاہے تو معاف نہ کریں۔ اگر سرکار ﷺ نے کسی دشمن کو معاف کیا ہے تو امت کو کیا سبق ملا کہ امتی بھی اپنے دشمن کو معاف کر دے، لیکن یہ تو سبق نہیں ملا کہ امتی اپنے آقا کے دشمن کو معاف کر دے۔

یہاں الٹی گنگا بہتی ہے، بڑے بڑے نام نہاد مفکر ٹی وی کی سکرین پر امت کے ایمان کو لوٹنے کے لئے لفظوں کی بنڈیاں سجا کے بیٹھے ہوئے ہیں کہ سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کا سبق دیا، وہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہاں وہ ضرور رحمت ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کیا سکھائی، آپ کا دشمن تھا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا، فرمایا، میرے امتیو: تمہارا دشمن آجائے تو اس کو معاف کر دیا کرو، سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق نہیں دیا کہ تم میرے دشمن کو معاف کر دو۔

سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حق نہیں دیا تو وہ کتنا بڑا موذی ہے جو سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم سے حق چھیننا چاہتا ہے، حق سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، چاہیں تو معاف کریں، چاہیں تو نہ کریں، بندے کا حق نہیں، امتی کا حق نہیں، ہاں امتی کا یہ حق ہے کہ اس کو جو تھپڑ مارے، یہ اس کو دے دے، پتہ چلے کہ اس نے کوئی سنت سے سبق سیکھا ہے، اس کے اپنے دشمن آجائیں تو ان کے لئے چادریں بچھا دے، پتہ چلے، یہ سنت کو سمجھنے والا ہے۔

لیکن یہاں بالکل معاملہ برعکس ہے۔ اپنے دشمنوں کے سر اتارتے ہیں اور سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے سامنے چادریں بچھاتے ہیں، یہ بہت بڑی فکری غلطی ہے اور بہت بڑا سجدہ سہونکالنے کا مقام ہے۔ لہذا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں کو معاف کرنا، اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو معاف کریں۔

اس سے ہمارے لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے لئے وہ کچھ کریں، جو صحابہ نے کر کے دکھایا ہے اور اپنے دشمنوں کو یوں معاف کریں جیسے سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے،

چاہیں تو معاف کریں، چاہیں تو نہ کریں۔ معاف کیا بھی ہے اور سزا بھی دلوائی ہے، یہ ایک ہی پہلو نہیں ہے، بلکہ سزا دلوانے میں بھی رحمۃ اللعالمینی کا حصہ ہے، آپ ﷺ نے گستاخ کو سزا دلوائی ہے، فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے پردوں سے نکال کے ابن حنظل کا سر قلم کیا ہے، سزا اس کو دلوائی ہے، فرمایا، اس کو نہیں چھوڑیں گے، اس نے مجھے ستایا ہے، میری گستاخیاں کرتا رہا ہے، وہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ

والانعرہ لگا ہوا تھا، مگر پھر بھی اس موذی کو معاف نہیں کیا تھا بلکہ یہاں تک کہ مصنف عبدالرزاق میں یہ بات موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، نبی ﷺ نے باقاعدہ اس پر ترغیب دی۔

عَنْ عِكْرَمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَبَّهَ رَجُلٌ فَقَالَ مَنْ يَكْفِينِي عَدُوِّي فَقَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا فَبَارَزَهُ فَقَتَلَهُ

(مصنف عبدالرزاق: ۹۸/۴)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ ایک بندے نے نبی اکرم ﷺ

کو گالی دے دی

فَقَالَ مَنْ يَكْفِينِي عَدُوِّي

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرے غلامو! اس کا کون سراتارے گا،

باقاعدہ اعلان کیا، مطلب یہ ہے کہ یہ بولی کی بیج ہے، بیچنی جنت ہے اور

بولی دے کر بیچنی ہے، کون ہے جو اس کا سراتارے اور جنت لے جائے۔ جس وقت

آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا۔

فَقَالَ الزُّبَيْرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَا فَبَارَزَهُ فَقَتَلَهُ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہو یا اور کہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو قتل کروں گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سہرا تار دیا۔

گویا کہ اے محبوب ﷺ! جو تجھے گالی دے، اس سے بدلہ زبیر لے گا، اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ

إِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ سَبَّ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَكْفِينِي عَدُوِّي فَخَرَجَ إِلَيْهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَقَتَلَهُ

(مصنف عبدالرزاق: ۹۸/۴)

ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کو گالی دی تو آپ ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو میرے دشمن کو قتل کرے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ میں اس کا سہرا تاروں گا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اس گستاخ عورت کا سہرا تار دیا۔

یہ احادیث سے میں نے شواہد بیان کئے کہ محبوب ﷺ نے بدلہ لیا بھی ہے اور یہ آپ ﷺ کی صفت رحمت پر کوئی تنقید نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اصل میں اس کائنات کا بچاؤ یہ سب سے بڑی رحمت ہے اور کچھ گستاخ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے زمین پر زلزلوں کے خطرے ہوتے ہیں، وہ اگر باقی رہیں گے تو کائنات درہم برہم ہو سکتی ہے، ان کے زندہ ہونے کی وجہ سے زمینیں بانجھ ہو سکتی ہیں، آسمان

سے بارش کا نزول رک سکتا ہے، اب وہاں پر رحمت یہی ہے کہ اس کمینے کو ہٹاؤ تاکہ دنیا تو سانس لے سکے۔ لہذا یہ بھی سید عالم ﷺ کی رحمت کا معاملہ ہے کہ جہاں یہ سمجھا کہ ان کا صفایا ضرور ہونا چاہئے ورنہ زمین پھٹ جائے گی، اللہ برداشت نہیں کرے گا، اس واسطے محبوب ﷺ نے ان کو سزائیں دلوائی ہیں اور وہ بھی رحمت پھیلانے کے لئے دلوائی ہیں۔

یہاں پر سید عالم ﷺ کا تحفظ ناموس رسالت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا جو انداز تھا، اس کی ایک دو مثالیں عرض کرتا ہوں اپنی بات کو سمیٹتا ہوں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دُبّہ اور امان کے علاقے کا گورنر بنایا گیا اور ان کو وہاں بھیجا گیا۔

فَلَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

جس وقت نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا

مَنْعُوا الصَّدَقَةَ

تو وہاں کے لوگوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا

فَدَعَاهُمْ حَذِيفَةُ إِلَى التَّوْبَةِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ یہ اسلام کا فرض ہے یہ تمہیں

دینا پڑے گا، وہ بڑے خطرناک نکلے

قَالُوا فَأَسْمِعُوهُ النَّبِيَّ ﷺ

انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دینا

شروع کر دیں۔

جس وقت وہ یوں بھونکے تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے لفظ سنو:

فَقَالَ لَهُمْ حُذَيْفَةُ اِسْمَعُونِي فِيْ اَبِيْ وَاُمِّيْ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ظالمو! مجھے، میرے باپ کی گالی دے

دو، میری ماں کی گالی دے دو

وَلَا تُسْمِعُونِيْ فِيْ النَّبِيِّ ﷺ

میں سرکار ﷺ کے بارے میں برداشت نہیں کر سکتا۔

مجھے میرے باپ کی گالی دو، مجھے میری ماں کی گالی دو، وہ تو برداشت کر سکتا

ہوں، مگر اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں برداشت نہیں کر سکوں گا، جب وہ باز نہیں

آئے تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

پیغام بھیجا تو فوراً اسلامی شہروں کا لشکر پہنچا اور ان لوگوں کے سر اتار کر یہ واضح کیا ہے

کہ اگرچہ نبی اکرم ﷺ روضہ پاک میں تشریف لے گئے ہیں، مگر ان کی محبت پر پہرہ

دینے والے عشاق باقی ہیں۔ لہذا کسی کو گالی دینے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور

جو ایسا کرے گا، اس سے زمین کو پاک اور صاف کر دیا جائے گا۔ یہی معاملہ سید

عالم ﷺ کی ظاہری حیات میں جو داستان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشق کی ہے، اس

سے ثابت ہے کہ حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ جس وقت میدان بدر میں زخمی

ہوئے اور آپ کی اولین شہادت تھی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو زخمی

حالت میں صحابہ اٹھا کے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے، اب تصور کرو، وہ میدان

بدر اور محبوب ﷺ کا خیمہ اور یہ زخمی صحابی، ادھر روح نکل رہی ہے اور تڑپ رہے ہیں، جب ان کو محبوب ﷺ کے سامنے رکھا گیا تو میرے محبوب ﷺ نے اپنا قدم تھوڑا سا آگے کیا، پتہ نہیں کہ آگے کرنے کی حکمت کیا ہوگی، مگر عاشق کی معراج ہوگئی۔

فَوَضَعَ خَدَّهُ عَلَى قَدَمِهِ الشَّرِيفَةِ

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا رخسار قدم مبارک پر رکھ لیا۔

نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا بہتا خون ہے اور تڑپتا لاشہ ہے، جان نکل رہی ہے، اپنا رخسار سرکار ﷺ کے قدموں پہ رکھا اور نعرہ لگایا:

قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَوْ رَأَيْتُ أَبُو طَالِبٍ لَعَلِمَ أَنِّي أَحَقُّ بِقَوْلِهِ

یا رسول اللہ ﷺ! کاش کہ ابو طالب آج زندہ ہوتے تو جو بات انہوں نے اپنے بارے میں کی تھی تو انہیں پتہ چلتا کہ وہ اس نعرے کے مستحق نہیں، میں اس نعرے کا مستحق ہوں۔

جناب ابو طالب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کا ایک قصیدہ لکھا تھا، وہ بڑا شاندار قصیدہ ہے، اس میں سرکار ﷺ کی بڑی تعریفیں کی ہیں، اس قصیدہ میں یہ کہہ دیا تھا:

وَنُسَلِّمُهُ حَتَّى نُصْرَعَ دُونَهُ

وَنَذْهَلُ عَنْ أَبْنَاءِ نَا وَالْحَلَائِلِ

یہ وہ نبی ہیں کہ جن کے گرد پہرے دیں گے، جن کو سلامت رکھیں گے اور ہم جن کا پوری طرح دفاع کریں گے،

کس انداز میں؟

حَتَّىٰ نُصْرَعَ دُونَهُ

ان کے آگے ہمیں پچھاڑ دیا جائے گا، ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، مگر انہیں ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔

کس انداز میں حفاظت کریں گے:

وَنَذْهَلُ عَنْ أَبْنَاءِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم اپنی بیویوں کو بھی بھول جائیں گے اور اپنے بیٹوں کو بھی بھول جائیں گے۔ مگر اس محبوب ﷺ کی عزت پہ پہرے دیں گے۔ یہ ان کا جملہ تھا، جو انہوں نے کہا تھا۔ اب وقت شہادت ہے، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ، سر کا رسول ﷺ کے قدم پہ رکھا ہوا ہے، فرمایا، اگر آج ابوطالب رضی اللہ عنہ دیکھتے تو جو شعر انہوں نے لکھا تھا، اس کو پورا میں نے کر کے دکھایا ہے، یہاں ہم اپنی بیویوں کو بھولے ہیں، اپنے بچوں کو بھولے ہیں، اے محبوب ﷺ! ہم آپ کی محبت میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔

یہی انداز حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جس وقت میدان احد کے اندر وہ زخمی پڑے تھے، نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ جاؤ سعد رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو اگر وہ تمہیں زندہ ملیں تو انہیں میرا سلام کہنا۔ ان کے بھیجنے میں حکمت تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں زخموں کے پاس سے گزرتا گزرتا آگے پہنچا تو مجھے سعد رضی اللہ عنہ نظر آئے مگر روح نکل رہی تھی، سانس اکھڑ

چکی تھی، یعنی بالکل دم گھٹنے کو تھا، میں پہنچ گیا۔

إِذَا بِهِ سَبْعُونَ ضَرْبَةً

بدن پر ستر زخم لگے ہوئے تھے۔

تکواروں کے، تیروں کے، نیزوں کے، پھالوں کے، اس انداز میں آخری سانس لے رہے تھے، میں پہنچ گیا اور میں نے جا کر کہا: اے سعد رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ تھے سلام کہتے ہیں۔ اب دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محبت اور عشق میں جو حق ادا کیا ہے، سب کچھ چھوڑ کے نبی اکرم ﷺ کے لئے نکلے ہیں اگر اس میں کچھ بھی محبت کچی ہوتی تو موت سے رنگ اتر جاتا، موت کے منہ میں بیٹھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، اس انداز میں کہ چہرہ کھل اٹھا اور مسکرا پڑے۔

چاروں طرف سے کانٹوں میں گھرا ہوا ہے پھول

پھر بھی کھلا ہوا ہے، عجب خوش مزاج ہے

فرشتے بھی حیران ہیں کہ اتنے زخم لگے ہوئے ہوں، تو بندہ مسکرا کیسے سکتا

ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سلام جس وقت سنا، تو کہنے لگے:

میرا بھی نبی اکرم ﷺ کو سلام عرض کرنا۔

اب یہاں پر احساس پوچھتا ہے کہ سلام دینے کا وقت کیا ہے، روح نکل

رہی ہے، اس قیمتی وقت میں کس کو یاد کر رہے ہو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخموں

سے بہتا خون بھی آواز دے رہا تھا۔

وہ جن کی دیپ جذبوں کو سرد ہونے نہیں دیتی
وہ جن کی یاد سے ساری بلائیں بھاگ جاتی ہیں

وہ جن کے ذکر سے سوئی امیدیں جاگ جاتی ہیں
وہ جن کے عشق میں باغ جنوں میں بلبلیں بولیں
وہ جن کے عشق میں شجر یقین سے کونپلیں نکلیں

اگر سولی ملے ان کی محبت میں گوارہ ہے
جو ہر تلخی مٹائے ان کے چہرے کا نظارا ہے
سلام دیتے ہوئے کہا:

جَزَاكَ اللَّهُ عَنِّي خَيْرٌ مَّا جَزَى نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهِ

سرکارِ مصلیٰ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھ کے خطاب کے صیغہ سے کہا کہ

میرے نبی ﷺ میں یہ دعا مانگ رہا ہوں کہ اللہ میری شہادت کا ثواب بھی
آپ ہی کو عطا فرمادے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جس وقت دنیا سے جا رہے تھے تو اس وقت انہوں
نے ایک چٹھی لکھی تھی اور آج ڈنمارک کے خاکوں کے بعد وہ چٹھی ہمیں پڑھنی چاہئے
اور سنانی چاہئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

إِنَّهُ لَا عُدْرَتَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَأَبْلَغُ قَوْمَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَقُلْ لَهُمْ إِنَّ سَعَاءَ

يَقُولُ لَكُمْ إِنْ خُلِصَ إِلَى نَبِيِّكُمْ وَمِنْكُمْ عَيْنٌ تَطْرُقُ

(الاصابة: ۳/۷، سیر اعلام النبلاء: ۳/۱۹۸)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح نکل رہی تھی اور یہ فتویٰ سنار ہے تھے۔
اے قیامت تک کے عشاق! اگر تم میں سے ایک شخص کے زندہ رہتے ہوئے
بھی ہمارے نبی ﷺ کی توہین ہوگئی، اللہ اس ایک کو بھی معاف نہیں فرمائے گا۔

مِنْكُمْ عَيْنٌ تَطْرِفُ

ایک باقی ہو۔

اس کے علاوہ دیگر شہید ہو چکے اور وہ ایک قیامت کے دن عذر پیش کرے
کہ یا اللہ! ساری دنیا تو اجڑ چکی تھی، میرا کوئی ساتھی نہیں تھا، میں اکیلا تھا، میں باطل
سے ٹکراتا تو کیسے، میری تو کوئی power نہیں تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے
ہیں، میرا یقین ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں وہ بہانہ قبول نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو
نہیں ٹکرایا، ایک زندہ رہا، تجھے مرجانا چاہئے تھا، تجھے شہید ہو جانا چاہئے تھا۔ اب
سوچو! اگر ایک شخص بھی ہو تو وہ مجرم قرار پائے گا اور آج ہم جو کروڑوں ہیں، ہمارے
زندہ ہوتے ہوئے یہ گستاخیاں کی جاتی رہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جائے تو قیامت
کے دن کیا ہمارا جواب ہوگا؟ پوری دنیا میں سرکار ﷺ کے دیوانے عشاق کروڑوں
کی تعداد میں موجود ہوں اور گستاخ مسلسل گستاخیاں کرتے جائیں، ان کا ہاتھ نہ
روکا جائے اور ان کے سر نہ اتارے جائیں تو کل قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کے
سامنے کس منہ سے پیش ہو سکیں گے۔

میرے محبوب ﷺ کے صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جاتے ہوئے پیغام دیا

ہے جو اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جیسے بھی حالات ہوں، جتنے بھی تلخ ماحول میں سے بندہ گزر رہا ہو، اس کا ایمان تب برقرار رہ سکے گا، جب وہ ناموس نبی ﷺ کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا اور اپنا قرض پورا اتار کے رہے گا۔

اس واسطے، میں تو یہ سمجھتا ہوں اور اس پیغام کو شرق و غرب کے اندر ہم نے پوری اساسی حیثیت کے ساتھ اجاگر کیا ہے اور اس پر ابھی ہمارے ذمے اتنا ہی قرض باقی ہے، جتنا ملت کے دوسرے سپوتوں کے ذمہ قرض باقی ہے، لیکن مل جل کر اس قرض کو اتارنے کے لئے ہمیں کوششیں کرنی چاہئے۔

اگر ایسے گستاخ خا کے بنائیں اور اس کے بعد وہ اپنی طبعی موت مرے تو کل قیامت کے دن ہمارا جواب بڑا مشکل ہوگا، ہم کیا بتا سکیں گے کہ اتنی زندگی پاگئے اور وہ بستر پر طبعی موت مرے، اگر ملت کا کوئی ایک بندہ بھی اٹھ کے ان کے سر اتارے گا تو پوری ملت کا قرض اتر جائے گا۔ اس واسطے آج بھی حرارت ایمان ملت کے جگر میں موجود ہے اور یہ میرا ہی نہیں، ہر مرد با وفا اور ہر مرد حرکا اور ہر مومن کے دل کا یہ نغمہ ہے۔

نبی کے نام پر ثنا شہادت ہی شہادت ہے

فضاء جیل میں رہنا عبادت ہی عبادت ہے

ہم اس عشق کے قائل نہیں جو دید سے بھڑکے

ہمیں تو نام نامی بھی حرارت ہی حرارت ہے

بدن کی بوٹی بوٹی ہو، زبان کڑوی نہیں ہوتی

نبی کے نام میں ایسی حلاوت ہی حلاوت ہے

لگا کے جان کی بازی بتایا ہے یہ عامر نے
جوان کی راہ میں گھلے سلامت ہی سلامت ہے
گواہی دے رہی ہیں آج بھی دیواریں برلن کی
نہیں ہے خودکشی یہ تو شہادت ہی شہادت ہے
خلد میں مسکراتے ہوں گے عامر سرخرو ہو کر
مگر ہٹلر کے بیٹوں کو ندامت ہی ندامت ہے
اے آصف کلمہ حق کی صدا اپنی ڈیوٹی ہے
سزا اس جرم کی جو ہو سعادت ہی سعادت ہے
حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو ہمیں پیغام دیا تھا، اس پیغام کے لحاظ سے
اس دور کے اس اہم مسئلے پر ہمیں سوچنا ہے اور اس سلسلے میں اپنی ڈیوٹی کو پورا کرتے
ہوئے ہمیں کچھ لوگوں کا مواخذہ بھی کرنا ہے اور اس بات کو بیان کئے بغیر میری گفتگو
کبھی بھی پوری نہیں ہو سکتی کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ رستے بنائے ہیں، انہیں اپنے
کیسے پہ یقیناً ندامت ہے، آج ان کو ندامت ہے کہ پوری دنیا میں ایک احتجاج اٹھا
ہے اس احتجاج میں جو روح تھی وہ روح یقیناً امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے
عقیدے کی تھی۔ اس بات کو ماننا پڑے گا اور کھلے دل سے ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں
نے یا رسول اللہ ﷺ کے لفظ کو شرک کہا تھا آخر ان لوگوں نے اس کے sticker
کیوں چھاپے، آج حجاز مقدس کے کونے کونے پہ دیواروں پر اور دوکانوں پر اور
کاروں پر اگر یہ لکھا ہے:

لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

تو ہم پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر شرک تھا تو اب کیسے جائز ہوا اور اگر شرک نہیں تھا تو پہلے تم نے کیوں جرم کیا، اس واسطے اگر آج کہتے ہو:

فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

مُشْتَاتُونَ لِرَأْيَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

نَحُورُنَا دُونَ نَحْرِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

اگر آج تم سمجھتے ہو کہ اس کو بولنا ضروری ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ نہ ماننے کی وجہ سے باطل کے حوصلے بڑھے ہیں، اگر شروع سے یہ بولا جاتا تو باطل پرستوں کو یہ آج بھی اپنے نبی ﷺ سے وابستہ ہیں، آج بھی اُن کا ان کے ساتھ تعلق ہے اور ان کا گزارہ ان کے بغیر نہیں ہے۔ انہیں پتہ چلتا کہ ہم تو آگ کے شعلوں کو دعوت دیں گے، اگر ہم ان کے پیغمبر کے خاکے بنائیں گے، یہ سب سے بڑی غلطی ہے، اس جرم پر ان کا کلمہ پڑھ کے سجدہ سہونکا لنا چاہئے کہ جو انہوں نے پہلے یا رسول اللہ ﷺ کو شرک کہا اور اب اسکے نعرے حجاز مقدس میں لکھے ہیں اور باقی بھی ہر جگہ تم نے دیکھا، اگر بیت المقدس کے سامنے سے ریلی گزری تھی تو اجتماع بیت المقدس کا تھا لیکن نعرہ اس میں بریلویوں کا تھا۔

لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

تو یہ کسی کی بھول ہے کہ یہ چند لوگ ہیں جو پاکستان یا انڈیا میں رہتے ہیں، نہیں نہیں، بریلویت تازہ پھولوں کی مہک کا نام ہے اور جو دنیا میں ایمان کا گلشن

ہے، اس مہک کو اسی نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب قدس کی ریلی ہو، مصر کی ریلی ہو، مراکش کی ریلی ہو، ہر ریلی کا نعرہ وہی ہے جو ہمارا نعرہ ہے تو اس نعرے کو جن لوگوں نے گھٹن میں بھی محفوظ رکھا اور اپنی روح سے اس کی حفاظت کی ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اگر آج باطل کے خلاف ان کو حرارت محسوس ہوئی ہے تو وہ عقیدہ تھا، جس عقیدے پر اہل سنت نے پہرہ دیا ہے اور ان لوگوں کی طرف سے خرابی تھی کہ دن رات درس دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ بس ڈاک دینے ہی آئے تھے، اور

حَسْبُنَا اللَّهُ حَسْبُنَا اللَّهُ

کہہ کہہ کے جس کا تعلق ابو جہل کے مقابلے میں تھا، کہ اللہ فرماتا ہے، اے محبوب ﷺ! ان کو کہو، ابو جہل کی کوئی ضرورت نہیں، میرے لئے اللہ کافی ہے۔ انہوں نے اس کو پیغمبر کے مقابلے میں پڑھنا شروع کیا ہوا تھا، حسبنا اللہ کو سبر کی opposition بنایا ہوا تھا کہ نبی کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ کافی ہے، تو چر اب بتاؤ، نبی ﷺ کی ضرورت کیوں پڑی۔

لہذا پتہ چلا کہ یہ غلط سوچ ہے جو سید عالم ﷺ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ وہ ڈاک دے کے چلے گئے، اب پیچھے کیا ہے، نہیں نہیں، ان کے بغیر ایک منٹ بھی زمین کا نہیں گزر سکتا، آسمان باقی نہیں رہ سکتا، ایمان نہیں رہ سکتا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اب تائب ہونا چاہئے اور اس رستے پہ آنا چاہئے، جو

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

کا ہے۔

اللہ کی اس رسی کو پکڑ لیں۔

وَلَا تَفَرَّقُوا

اور پھر ہم سے آگے پیچھے نہ ہوں، یہ سیدھی سڑک شفاعت نگر کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ہر ذی عقل مانے گا کہ خاکوں میں گستاخی ہوئی تو کیا تھا، لکیریں بنی ہوئی تھیں، ایک شخص اس ذات کی مثل بنانے پر تل گیا، جس کی مثل رب نے نہیں بنائی، گستاخی ہو گئی کہ تم نے یہ کاغذ پہ لکیریں کیوں بنائیں؟

ساری دنیا اٹھی، اگرچہ بعد میں وہاں بم وغیرہ نصب کیا گیا، لیکن اصل گستاخی خاکہ بنانا ہی ہے، جب Phillip Hitti نے سیرت کی کتاب لکھی تھی اور نبی ﷺ کو معراج کی طرف جاتے دکھایا تھا کہ آپ ﷺ سواری پہ بیٹھے ہیں اور جبریل علیہ السلام نے نکیل پکڑی ہوئی ہے تو ساری دنیا نے کہا کہ یہ تم نے شان رسالت میں گستاخی کی ہے، جب اللہ انکی مثل کوئی نہیں پیدا کرتا، تو تم نے تصویر کیسے بنائی۔

ایک ہے کاغذ پر لکیریں بنانا اور وہ لکیریں یہ بولیں کہ ہم مسلمانوں کے نبی کی مثل ہیں، اگر مثل نہ کہا جائے تو اور کوئی احتجاج نہ ہوتا، ان لکیروں پر احتجاج کیوں ہوا کہ ان لکیروں کو ہمارے نبی ﷺ کی مثل کہا گیا، دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ بنانے والے نے کہہ دیا ہے کہ یہ لکیریں مثل ہیں، اب خود تم مجھے فتویٰ دو، یہ تم میں سے ہر بندہ فتویٰ دے سکتا ہے، ایک ہے کسی کی کاغذ پر لکیریں بنانا اور ایک ہے اس کو منہ پر گالی دینا، تو کیا منہ سے بولنا بڑا جرم ہے یا لکیریں بنانا بڑا جرم ہے۔

لیکریں تو سمجھنے کے لیے کوئی دماغ کھپائے گا، اس کے بعد جا کے بات بنے گی، خاکہ پورا ہوگا اور پھر گستاخی نکلے گی، زبان سے فوراً لفظ بنیں گے اور گستاخی بن جائے گی، فتویٰ تم سے یہ پوچھ رہا ہوں، اگر کاغذ پر لکریں بنا کر ان کو سرکارِ علیہ السلام کی مثل کہا جائے تو گستاخی ہے، تو جو خود اپنے منہ سے کہے کہ میں مثل ہوں، تو یہ گستاخی کیوں نہیں؟ کاغذ پہ لکریں بنیں تو یہ گستاخی ہے اور ایک جیتا جاگتا بندہ اپنے منہ سے کہے کہ میں ان کی مثل ہوں اور ان کی طرح ہوں، تو یہ کیا چھوٹی گستاخی ہے؟ کوئی بندہ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا، اگر کاغذ پر بے جان خاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خاموش لکریں تو ہیں ہے تو چلتا پھرتا چھوٹا بندہ جو کہتا ہے، میں ان کی مثل ہوں، اس نے کتنی بڑی گستاخی کی ہے۔ اس واسطے:

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

اگر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ناموس رسالت پہ پہرہ دے سکتے ہیں تو یہ بھول ہے، نہیں نہیں، رستے ان کے بنائے ہوئے ہیں، قادیانی کے لئے ہوں یا Danish کمپنیوں کے لئے ہوں، ان لوگوں نے یہ دھندہ بنا رکھا ہے اور کوئی کام ہی نہیں ہے، یہ تو حید ہے، درس قرآن ہے، یہ تبلیغ ہے اور یہ ختم بخاری ہے، جب تک اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ کہہ لیں، اس وقت تک چین ہی نہیں آتا، اس سے ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے، جو ہر روز اپنی مثل کہتے رہتے ہیں، ہم کہہ دیں گے تو کیا ہوگا، ان کو پتہ چلا کہ یہ مثل کہنے والے اس امت کے دو نمبر لوگوں کا طبقہ ہے۔ اصل

وہ ہیں، جو ان کو کسی کی مثل نہیں مانتے، تب احتجاج ہوا، ورنہ جو خود ان کی مثل بنے، کاغذ کی مثل پر کیا اعتراض ہونا تھا، منہ چھپانے کے لئے اٹھے، وقتی مصلحتیں تھیں اور سیاستیں تھیں اور پھر چپ ہو گئے۔ ہمارا یہ مشن باطل کے لئے ہمیشہ رہے گا اور ہم قرآن و سنت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم وہ ہیں کہ ہم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تک یہ کہا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل اللہ پیدا کر ہی نہیں سکتا۔

یہ مسئلہ برصغیر میں اٹھا تھا، جب ایک شخص نے کہا تھا کہ اگر اللہ چاہے تو بیک جنبش قلم کروڑوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر سکتا ہے، تو اس پر امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی تھی اور کہا تھا،

کروڑوں کیا، اللہ ایک بھی پیدا نہیں کر سکتا، تم کہتے ہو رب چاہے تو کروڑوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر سکتا ہے۔

اسماعیل دہلوی نے کہا تھا، لیکن امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ کروڑوں تو کیا، ان جیسا ایک بھی پیدا نہیں کر سکتا، اس نے کہا یعنی اسماعیل دہلوی نے:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تو کیا وہ ایک بندہ نہیں بنا سکتا، تو میرے امام نے کہا تھا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اس کا معنی تو پڑھو، اگر ہر چیز سے مراد ہر شیء ہے تو پھر کیا اللہ دوسرا اللہ بنا سکتا ہے، جب اللہ دوسرا اللہ نہیں بنا سکتا، تو پتہ کیا چلا کہ اللہ دوسرا اللہ بنانے پر

قدرت نہیں رکھتا، کیونکہ جس بات میں اللہ کی الوہیت پر اعتراض لازم آتا ہو، اللہ وہ کام کرتا ہی نہیں ہے تو میرے امام کہنے لگے، اللہ ہمارے نبی ﷺ کی مثل نہیں بنا سکتا، کیوں؟

ہم پوچھتے ہیں کہ وہ جو بعد میں بنے گا، وہ خاتم النبیین ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر وہ خاتم النبیین نہیں ہے تو وہ محمد ﷺ نہیں ہے، اگر وہ ہے تو پھر اللہ کا کلام جھوٹا ہو جائے گا، کیوں کہ خاتم ایک ہی ہو سکتا ہے، دو نہیں ہو سکتے، آخری ایک ہو سکتا ہے، دو نہیں ہو سکتے، ایک مرتبہ ہمارے محبوب ﷺ کو آخری کہے اور پھر کسی اور کو بنا کے لے آئے، تو اللہ کے کلام میں جھوٹ لازم آ جائے گا، چونکہ میرا رب جھوٹ سے پاک ہے تو وہ دوسرا محمد ﷺ بنانے سے بھی پاک ہے۔

اس واسطے یہ عقیدہ شروع سے رہا ہے اور اس کی برکتیں ہیں، اس کی وجہ سے ناموس رسالت کی ذمہ داریاں پوری کی جاسکتی ہیں، اگر اس قانون کو بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے بھی دیکھیں تو ہمارے پاس اس کے بھی دلائل موجود ہیں رب ذوالجلال کے قرآن کو پڑھ لیں، عقلی دلائل کو دیکھ لیں، اگر کوئی اقوام متحدہ کے Forum پر ہم سے بات کرنا چاہتا ہے، ہم ان شاء اللہ اقوام متحدہ کے قانون سے بھی اس کو ثابت کریں گے کہ ہمارے نبی ﷺ کی توہین سب سے بڑا جرم ہے۔ اس واسطے کہ قرآن مجید میں جب یہ کہا گیا:

إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

جب ان سے کہا گیا کہ تم زمین میں فساد نہ کرو۔

اس وقت فساد کس چیز کو کہا گیا تھا، کیا وہ fire کر رہے تھے، کیا وہ بندوں کو قتل کر رہے تھے؟ کیا منافقین اس وقت کوئی ایٹم بم چلا رہے تھے؟ نہیں، فساد کیا تھا؟ وہ نبی ﷺ کی توہین کرتے تھے، تو توہین رسالت ﷺ فساد فی الارض ہے لہذا انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی سوسائٹی برقرار تب رہ سکتی ہے کہ جب فساد فی الارض نہ ہو، اور فساد فی الارض سے بچا یا تب جاسکتا ہے، جب نبی ﷺ کی توہین سے لوگوں کو روکا جائے۔

لہذا پوری کائنات میں کوئی بھی ملک ہو اس کا اولین قانون یہ ہوگا کہ اگر زمین بچانی ہے تو اللہ کے محبوب ﷺ کو چھیڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تو سرکار ﷺ کے حوصلے ہیں ورنہ کوئی مثال ایسی نہیں کہ جب کسی نے پیغمبر سے متھا لگایا ہو، اللہ نے ان کو الٹا نہ کیا ہو، سارا قرآن پڑھ کے دیکھ لو، اللہ سے جو کچھ وہ کرتے رہے، اللہ ان کو برداشت کرتا رہا، مگر اللہ کے پیغمبروں سے جن لوگوں نے بغاوتیں کیں، اللہ نے پیغمبروں کی عزت کیلئے ان لوگوں کی بستیاں الٹ دیں، تو آج اگر صدیوں سے ایسا نہیں ہوا، تو کیوں؟ اس لیے کہ درمیان میں ہمارے نبی ﷺ ہیں اللہ تعالیٰ جب جلال میں آتا ہے تو سامنے سرکار ﷺ ہیں، میرے محبوب ﷺ عرض کرتے ہیں یا اللہ! زمین پہ میں ہوں، اگر بد بخت کرتے ہیں تو کرتے رہیں، زمین پہ میں ہوں، اس کو الٹا نہیں ہونا چاہئے۔

اگر سرکار ﷺ آگے ہٹ گئے، تو یہ زمین بچے گی کیسے؟
اس واسطے ہم ان لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ میرے نبی ﷺ کو بے

زار نہ کرو، وہ گنبدِ خضریٰ کے مکین، اگر ایک منٹ کے لئے مخلوق اور خالق کے درمیان سے ہٹ گئے اور کہا اے اللہ! جو مرضی آئے ان سے کر لے تو پھر کون بچے گا؟
اس واسطے پوری کائنات میں امن کی ضمانت ہے ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ، جس وقت تحفظ ناموس رسالت ﷺ برقرار رہے گا تو اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو امن عطا فرمائے گا۔

یہ موضوع یقیناً بہت طویل ہے اور اس کا کافی حصہ باقی ہے، طوالت کی وجہ سے میں اس کو چھوڑ رہا ہوں، اپنی گفتگو اسی پیغام پہ ختم کرنا چاہتا ہوں، جو آج کے دور میں ہر صالح مومن کے دل کی آواز ہے اور جتنے بھی سخت سے سخت حالات ہوں، ان کے مقابلے میں جو ایک مومن کی حقیقی آواز ہونی چاہئے، وہ یہی ہے کہ:
ناموس رسالت ﷺ کرسی کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ آیت الکرسی کا معاملہ ہے، یہ بے ایمانوں کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایمان کا معاملہ ہے۔

اس واسطے ہمیں اس کے لئے پوری طرح حساس ہونا ہے اور اپنی جو قرض کے لحاظ سے ڈیوٹی ہے، اس کو ہم سب نے ادا کرنا ہے۔ میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

www.SirateMustaqeem.net

